سوال و جواب

تلاوتِ قرآن اور ایصالِ ثواب

محمد عظیم الدین صاحب لاہور سے لکھتے ہیں کہ :

کئی دن ہوئے ایک سوئم فاتحہ میں شرکت کرنے کا اتفاق ہوا جہاں بہت سے حفاظِ قرآن زور دار تلاوت کر رہے تھے۔ یتامیٰ و مساکین کو کھانا کھلانے کا سامان تھا۔ آخر میں پنج آیت پڑھی گئی اور ایک مولانا صاحب اور ان کے ساتھ ہی تمام حاضرین نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ داعیِ فاتحہ نے ذرا دھیمی آواز میں مولانا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: اس کھانے اور تلاوت وغیرہ کا تمام ثواب فلاں کی روح کو ایصال فرمادیجئے۔ اس کے بعد کئی آوازیں آئیں کہ "ایک ختم قرآن میری طرف سے"۔ "دس پارے کا ثواب میری طرف سے" "ایک کلمے شریف کا ختم میری طرف سے"۔ وغیرہ وغیرہ ——— مجھے اس سے پہلے بھی بارہا ایسی محافل میں شرکت کا اتفاق ہوا ہے لیکن اس محفلِ ایصالِ ثواب کے موقعے پر پہلی بار دماغ میں کئی سوالات پیدا ہوئے مثلاً...... یہ ثواب کیا چیز ہے جو ایک مُردے کو پہنچائی جا رہی ہے؟ قرآن پڑھنے کے ثواب کی کیا نوعیت ہے؟ کیا واقعی مُردوں کو ثواب پہنچ جاتا ہے اور اس کو اس سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے؟ کیا تلاوتِ قرآن کے علاوہ دوسرے اعمال کا ثواب بھی کسی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے؟ کیا کوئی زندہ بھی یہ کر سکتا ہے کہ کسی غریب کو ایک معقول رقم دے کر اسے اس کام پر مقرر کرے کہ تمام نیک کام میری طرف سے تم کیا کرو؟ اور اگر آپ اجازت دیں تو ایک سوال اور بھی کردوں کہ کیا ثواب کی طرح گناہ و عذاب بھی کسی کی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے؟ ——— غرض یہ تمام سوالات بار بار اس وقت سے میرے دل و دماغ پر مسلط ہیں۔ اگر مذہب میں عقل کو کوئی دخل نہیں اور ان تمام باتوں کو ایمان بالغیب کی طرح مان لینا چاہیئے تو خیر یہی کروں گا لیکن اس سے میری روح کو اس پیچ و تاب سے نجات نہ مل سکے گی، جس میں اس وقت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔

میں خود خوش عقیدہ گروہ سے تعلق رکھتا ہوں لیکن اس معاملے میں خدا جانے کیوں بڑے شش و پنج میں پڑ گیا ہوں۔ کیا آپ از راہِ کرم ان مسائل پر صاف صاف روشنی ڈال کر شکر گزار فرمائیں گے؟ ممکن ہے کہ میرے جیسے اور بھی بہت سے لوگ اس تذبذب میں پڑے ہوں۔

ثقافت

ثواب کا اطلاق۔ اثابت، تثویب (فعل) اور اس کے اسم ثواب اور مثوبت سب کے معنی ہیں اعمال کی جزا، بدلہ، اجر، معاوضہ۔ یہ الفاظ نیک عمل کی جزا اور بدعملی کی سزا دونوں ہی کے لئے صحیح ہیں۔ قرآن نے دونوں کے لئے اسے استعمال کیا ہے۔ مثلاً:

۱۔ ھل ثوّب الکفار ما کانوا یفعلون؟ (۸۳ : ۳۶)

منکروں کو ان کے کردار کی پاداش مل گئی؟

۲۔ ...... فاثابکم غما بغم ...... (۳ : ۱۵۳)

تمہیں پاداش میں غم پر غم دیا

۳۔ ...... فاثابھم اللہ بما قالوا جنّٰت .... (۵ : ۸۵)

پس اللہ نے ان کے قول کے عوض جنتیں دیں .....

۴۔ ولو انھم امنوا واتقوا لمثوبۃ من عند اللہ خیر (۲ : ۱۰۳)

اگر وہ ایمان لاتے اور تقوےٰ اختیار کرتے تو اللہ کی طرف سے جزا بہتر ہوتی

۵۔ قل ھل انبئکم بشر من ذٰلک مثوبۃ عند اللہ (۵ : ۶۰)

کہدو کہ میں تمہیں اللہ کی طرف سے اس سے بھی بدتر جزا بتادوں؟

غرض "ثواب" اور "مثوبت" اچھے اور بُرے دونوں طرح کے بدلے کے لئے قرآن میں آیا ہے اور اسی طرح اس کے فعل اثابت اور تثویب بھی دونوں طرح کے بدلے دینے کے لئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس کا غالب استعمال جزائے خیر ہی کے لئے ہوگیا ہے لیکن یہ تعجب ہے کہ ہمارے لٹریچر میں ایک فی صد بھی یہ جزائے بد کے معنوں میں نہیں استعمال ہوا ہے حالانکہ قرآن اسے دونوں معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ آپ نے کبھی کسی کو یہ کہتے نہ سنا ہوگا کہ "فلاں نے یہ بہت بُرا کام کیا ہے اور اسے اس کا "ثواب" ضرور ملے گا"۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عام طور پر ثواب کے معنی ہی جزائے نیک کے سمجھے جاتے ہیں۔ (ہم اپنے اس مضمون میں اس لفظ کو دونوں ہی معنوں میں استعمال کریں گے)۔

ایصال گناہ۔ جب صورت حال یہ ہے تو "ایصال ثواب" میں اجر نیک اور اجر بد دونوں کو داخل سمجھنا چاہئے لیکن ہوتا یہ ہے کہ عام لوگوں کے خیال میں نیک کام کا ثواب تو مُردوں کو پہنچ جاتا ہے اور بُرے کاموں کا ثواب نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی اگر ہم کسی بھوکے کو کھانا کھلا کر اس کا ثواب حضرت موسیٰؑ کو پہنچا دیں تو پہنچ جائے گا لیکن اگر شراب پی کر اس کا ثواب فرعون کو پہنچائیں تو نہیں پہنچے گا۔ یہ فرق کیسا اور کیوں؟

قرآنی نقطۂ نگاہ۔ ثواب — خواہ نیک ہو یا بد — کے متعلق قرآنی ارشاد تو یوں ہے کہ:

۱۔ من عمل صالحاً فلنفسہ ومن اساء فعلیھا۔

جو نیک عمل کرے گا وہ اپنے ہی نفع کے لئے ہے اور جو بدی کرے گا اس کا
وبال بھی اس کی اپنی ذات پر ہوگا۔

۲۔ کل امریٔ بما کسب رھین۔

ہر شخص اپنے عمل کے عوض گروی ہے

۳۔ کل نفس بما کسبت رھینۃ

ہر ذات اپنے کردار میں رہن ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نیکی ہو یا بدی دونوں کا "ثواب" اس کے کرنے والے ہی کی ذات تک محدود ہے۔ نیکی و بدی کا اثر تو بلاشبہ دوسرے پر مترتب ہوگا۔ مثلاً اگر کسی بھوکے کو کھانا کھلا دیا جائے تو اس کا پیٹ بھر جائے گا۔ اگر کسی کو پتھر مارا جائے تو اسے چوٹ لگے گی۔ لیکن اس نیکی اور بدی کا جو "ثواب" کرنے والے کو ملے گا وہ کھانا کھلانے والے اور پتھر مارنے والے ہی کی ذات تک محدود رہے گا۔ اگر اس ثواب کو کسی اور کی طرف منتقل کرنا درست ہو تو نیکی اور بدی دونوں ہی کے ثواب کا انتقال درست ہونا چاہیئے لیکن اس کا کوئی نہ تو قائل ہے نہ اس پر عامل۔ یہ فرق و امتیاز ذرا غور طلب ہے۔ قرآن دونوں طرح کے ثوابوں کا مستحق صرف عامل و فاعل کو ٹھہراتا ہے اور یہ دونوں ناقابلِ انتقال ہیں لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ (ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا)

زندوں کو ایصال ثواب۔ ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر ثواب منتقل ہو سکتا ہے تو یہ انتقال ظاہر ہے کہ صرف مُردوں ہی کی طرف نہیں ہوگا بلکہ زندوں کی طرف بھی اسی طرح منتقل ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ نے آج تک کہیں نہ سُنا ہوگا کہ زندوں کو ثواب پہنچانے کے لئے بھی کوئی اجتماع کیا گیا ہو۔

وصول و ایصال کا فرق۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے صحیح بات یوں ہے کہ وصول ثواب" تو یقیناً ہوتا ہے۔ البتہ "ایصال ثواب" نہیں ہوتا۔ ان دونوں کا فرق اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ وصول ثواب کا مطلب یہ ہے کہ خواہ آپ ارادہ کریں نہ کریں، پہنچائیں نہ پہنچائیں ثواب خود بخود پہنچ کر رہے گا۔ یہ وہاں ہوگا جہاں مرنے والا (اور زندہ بھی) کسی نیکی و بدی کا ذمے دار اور سبب ہو۔ ایک شخص کسی کو صحیح نماز سکھا دے تو سیکھنے والا جب تک صحیح نماز ادا کرتا رہے گا اور وہ دوسروں کو اور پھر وہ آگے دوسروں کو سکھاتے رہیں گے ان سب کا ثواب پہلے سکھانے والے کو خود بخود ملتا رہے گا خواہ سیکھنے والے اسے ثواب پہنچائیں یا نہ پہنچائیں۔ لیکن وصول ثواب صرف نیک عمل کے ساتھ مخصوص نہیں۔ گناہوں کے ثواب کا بھی یہی حال ہے۔ اگر ایک شخص کسی کو چوری سکھا دے تو اس کا ثواب بھی سکھانے والے کو پہنچائے بغیر خود بخود ملے گا بلکہ چوری سیکھنے والا جس جس کو یہ فن سکھائے گا اس کا ثواب بھی پہلے شخص کو ملتا رہے گا۔ یہ دونوں

طرح کے ثواب خود بخود بلا پہنچائے اس لئے پہنچیں گے کہ اس نیکی یا بدی کا سبب وہی پہلا شخص ہوا ہے۔ یہ تو ہوا "وصول ثواب"۔

مگر ایصال ثواب (ثواب کا پہنچانا) بالکل جداگانہ شے ہے۔ ایصال یہ ہے کہ مرنے والا (یا زندہ) تو کسی نیکی و بدی کا سبب قطعاً نہیں، اس کا سبب کوئی اور ہے اور وہ اپنا ثواب کسی اور کو منتقل کر رہا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اپریشن تو ہو زید کا اور زخم اچھا ہو جائے عمرو کا۔ یا کھانا کھائے بکر اور پیٹ بھر جائے خالد کا۔ نیکی یا بدی جو شخص بھی کریگا اس کا ثواب بھی اسی کرنے والے کو ملے گا کیونکہ اس فعل کا سبب وہ خود ہے۔ دوسرا نہیں۔ ہاں اگر اس فعل میں دوسرا کسی نوع سے شریک یا حصے دار ہے تو اسے بھی ثواب ملے گا لیکن اولاً تو اس کے لئے ایصال (پہنچانے) کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ ثواب اس شریک کو خود بخود پہنچے گا۔ ثانیاً یہ وصول ثواب صرف نیکی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بدی کا ثواب بھی اسی طرح اسے پہنچے گا۔ ثالثاً یہ وصول ثواب صرف مُردوں کے ساتھ وابستہ نہیں، زندوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ اگر ایصال کی یہی صورت ہو تو زندوں کے لئے بھی ہونا چاہئے اور ثواب بد کا بھی ایصال ہونا چاہئے تھا۔ لیکن ان دونوں باتوں کو کوئی صحیح نہیں سمجھتا۔

غرض وصول ثواب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی نیکی و بدی کا خود سبب ہو اور اسے خود بخود اس کا ثواب مل جائے اور ایصال ثواب یہ ہے کہ نیکی یا بدی تو کرے کوئی اور اس کا ثواب وہ منتقل کر دے کسی اور کی طرف پہلی شکل (وصول ثواب) تو بالکل مطابق قرآن ہے لیکن دوسری شکل (ایصال ثواب) کا کوئی ثبوت قرآن سے نہیں ملتا۔

روایاتِ ایصال۔ اگر کسی روایت سے ایصال ثواب کی تائید ہوتی ہو تو اس کی کوئی توجیہ و تاویل کر لینی چاہئے۔ قرآنی تصریحات سے جس روایت کا ٹکراؤ ہوتا ہو اُسے یا تو رد کر دینا چاہئے یا پھر اسے مؤوّل سمجھنا چاہئے۔ ابھی سردست ہمیں ان روایات سے بحث نہیں تاہم اتنا بتا دینا بے محل نہ ہوگا کہ اکثر روایتوں کو دیکھنے کے بعد ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہی ہے کہ جہاں بھی "ایصال ثواب" کی شکل دکھائی دیتی ہے وہ دراصل "وصول ثواب" ہے یعنی وہ خود مرنے والے کا کسب و عمل یا کم از کم نیت و مشیت ہے۔ مثلاً:

> ان رجلاً قال لرسول الله صلی الله علیه وسلم ان امی افتلتت نفسها واظنها لو تكلمت تصدقت فهل لها اجر ان تصدقت عنها؟ قال نعم۔ (رواہ الستۃ الا مالکا عن عائشۃؓ)
>
> ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا کہ: میری ماں اچانک ہی مرگئی اور مجھے یقین ہے کہ اگر اس میں تاب گویائی ہوتی تو ضرور صدقے کے لئے کہہ جاتی۔ اس صورت میں اگر میں اس کی طرف سے صدقہ ادا کر دوں تو کیا اسے اجر (ثواب) ملے گا؟ حضورؐ نے فرمایا: ہاں ملے گا۔

اس حدیث کے لفظ "نعم" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر فی الواقع خود اس کا یہ ارادہ تھا اور فی الحقیقت

بات ایسی ہی ہے کہ اگر اس میں قوتِ گویائی ہوتی اور وصیت کا موقع پاتی تو وصیت کر جاتی تو بلاشبہ اسے اس کا ثواب ملے گا کیونکہ اس کی نیت تو تھی۔ لیکن یہ سوئے اتفاق ہے کہ اسے اچانک موت کے سبب سے اس کے اظہار کا موقع نہ مل سکا۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ اگر اس مرنے والی کے صاحبزادے وہ صدقہ نہ بھی ادا کرتے تو مرنے والی کو پھر بھی اجر ملتا کیونکہ اس کی نیت یا ارادہ موجود تھا۔ یہ وصول ثواب ہے ایصال ثواب نہیں ۔

اسی طرح کی ایک اور روایت بھی ہے کہ :

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلثة الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله۔

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام عمل کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر تین چیزوں کا نفع اسے ملتا رہتا ہے۔ ایک صدقۂ جاریہ، دوسرے ایسا علم جس سے فائدہ حاصل ہوتا رہے اور تیسرے ایسی صالح اولاد جو اس کے لئے دعائے خیر کرتی رہے۔

اگر کوئی شخص کنواں کھدوادے، سرائے بنوادے، مدرسہ قائم کردے، مسجد تعمیر کرادے، تو جب تک ان چیزوں سے دنیا نفع اٹھاتی رہے گی اس کا اجر، اس کا ثوابِ نیک اسے بھی ملتا رہے گا، زندگی کی طرح مرنے کے بعد بھی ملتا رہیگا۔ کیونکہ اس کا سبب وہ خود ہوا ہے۔ اسے کہتے ہیں صدقۂ جاریہ۔ دوسری چیز بھی صدقۂ جاریہ ہی کی ایک قسم ہے۔ اس کی علمی کاوش و تحقیق سے لوگ جب تک نفع اٹھاتے رہیں گے (خواہ یہ جسمانی و مادی فائدہ ہو یا روحانی و اخلاقی) اسے ثوابِ نیک ملتا رہے گا کیونکہ یہ اسی کا ذاتی عمل ہے۔ یہ دونوں باتیں "وصول ثواب" سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایصال ثواب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تیسری چیز یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی اولاد کو تربیت دے کر صالح بنایا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی صالحیت کا سبب اس باپ کی تربیت ہے اور یہ اس کا ایک ایسا نیک عمل ہے کہ جب تک وہ صالح رہے گا اس کا اجرِ نیک اسے ملتا رہے گا۔ یہاں "یدعولہ" کا لفظ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صالح اولاد تو بہرحال اپنے والدین کے لئے دعائے خیر کرتی ہی ہے۔ اور اس دعا کا نتیجہ بھی والدین کی مغفرت کی شکل میں نکل سکتا ہے۔ یہ نفع دعا ہے۔ ایصال ثواب نہیں۔ ان دونوں کا فرق ابھی چند سطروں کے بعد آگے آتا ہے۔

حج بدل۔ یہی صورت حج بدل کی بھی ہے جسے لوگ ایصال ثواب تصور کرتے ہیں۔ ایک شخص حج کی تمام تیاریاں کرتا ہے لیکن اچانک کسی حادثے سے مرجاتا ہے یا معذور ہوجاتا ہے پھر یا وصیت کرتا ہے یا اسے وصیت کی بھی مہلت نہیں ملتی تو اسے حج کا ثواب وصول ہوگیا خواہ ورثا اس کی طرف سے حج کریں یا نہ کریں۔ ورثا تو صرف ایک ایسے فرض کی تکمیل کرتے ہیں جس کا مرنے والے کو موقع نہ مل سکا۔ یہ نہیں ہوتا کہ ورثہ حج کرکے اسے ثواب کا ایصال کریں جب تو اسے ثواب پہنچے گا ورنہ نہیں پہنچے گا۔ یہ بات نہیں ہوتی۔ یہاں صرف وصول ثواب ہے ایصال ثواب نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جو

قرآن میں موجود ہے کہ :

......ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله. (۴ : ۱۰۰)

جو شخص اپنے گھر سے [illegible] ی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے اور (راستے میں) اسے موت آجائے تو یقیناً اس کا اجر (ثواب) اللہ کے ذمے ہوگیا۔

بالکل یہی صورت اس حاجی کی ہے جو راستے ہی میں مرجائے بلکہ اس حاجی کی بھی جو سامان سفر کر رہا ہو یا کر چکا ہو مگر سفر میں نکلنے سے پہلے ہی مرجائے۔ یہاں ثواب خود بخود پہنچ جائے گا پہنچانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی وصول ثواب ہے ایصال ثواب نہیں غرض وصول ثواب تو نیکی وبدی دونوں کا ہوتا ہے اور ایصال ثواب نہ نیکی کا ہوتا ہے نہ بدی کا۔

دعا اور ایصال کا فرق ۔ بعض لوگ دعائے مغفرت کو بھی ایصال ثواب کا مترادف وہم معنی تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ دونوں بالکل الگ جداگانہ چیزیں ہیں۔ دعا تو زندہ ومردہ سب کے لئے فرض ہے اور قرآن نے اس کا طریقہ بھی بتا دیا ہے کہ یوں دعا کرو مثلاً :

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔

اے ہمارے رب ہم زندوں کی اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں مغفرت فرما۔

اسطرح کی دعا کی کہیں تعلیم نہیں کی گئی ہے کہ : اے اللہ ہم نے جو نمازیں پڑھی ہیں یا تلاوتِ قرآن کی ہے یا خیرات دی ہے یا فلاں نیک کام کیا ہے اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دے۔

دعا اور ایصال میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ یوں سمجھئے کہ آپ یہ تو دعا کر سکتے ہیں کہ : یا اللہ فلاں بھوکے کی بھوک دور ہونے کا سامان فرما دے یا فلاں مریض کو تندرستی عطا فرما۔ لیکن یہ دعا نہیں کر سکتے ہیں کہ : اے خدا میں نے جو کھانا کھایا ہے اور اس کا جو ثواب (نتیجہ) مجھے سیری شکم کی صورت میں ملا ہے وہ اس بھوکے کو منتقل کر دے یعنی کھانا تو میں نے کھایا ہے اور پیٹ اس بھوکے کا بھر جائے یا دوا تو میں نے پی ہے مگر تندرستی فلاں مریض کو ہو جائے۔ ایسی دعا بے معنی سی ہے۔ اسی طرح ہم یہ دعا تو کر سکتے ہیں بلکہ اس کا کرنا ضروری ہے کہ اے اللہ فلاں کی مغفرت فرما۔ لیکن یہ دعا بے معنی سی ہے کہ : اے خدا ہمیں فلاں نیکی یا بدی کا جو ثواب ملنے والا ہے وہ فلاں کو پہنچا دے۔

ثواب کیا ہوتا ہے ۔ اس سلسلے میں ایک ضروری بات اور بھی سن لیجئے۔ ثواب کا مطلب کیا ہے! اور یہ کس شکل میں ملتا ہے؟ دیکھئے آپ نے روزہ رکھا تو آپ کو ثواب ملا لیکن کیا ثواب ملا؟ اس روزے کا ثواب یہ ہے کہ آپ میں محاسبہ نفس کی قوت پیدا ہوئی، طاعت الٰہی کا جذبہ پیدا ہوا، بھوکوں کی ہمدردی پیدا ہوئی، شکر نعمت کا مادہ پیدا ہوا، صبر وتحمل اور قوت برداشت پیدا ہوئی۔ مختصراً جامع لفظوں میں یوں کہئے کہ تقویٰ اور اعلیٰ کردار پیدا ہوا۔ اب دیکھئے کہ مردہ جو قبر میں لیٹا ہوا ہے ان میں سے ایک چیز بھی حاصل یا جذب کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس کی زندگی کے ساتھ ہی یہ صلاحیت ختم ہوگئی۔ اب آپ

کیا چیز پہنچا رہے ہیں؟ یہ تو خیر مردہ ہے، آپ تو کسی زندہ کو بھی اپنا تقویٰ منتقل نہیں کر سکتے۔ پھر مردے کو کون سا ثواب، کون سا تقویٰ اور کون سے فوائد صوم منتقل کر رہے ہیں؟ اور وہ اسے اپنے اندر جذب کرنے کی کیا صلاحیت و اہلیت رکھتا ہے؟

یہ تو روزے کے وہ فوائد (ثواب) ہیں جو زندگی میں ایک روزے دار کو حاصل ہوتے ہیں) ان کے علاوہ کچھ اور نتائج ہیں جو ارتقاء یافتہ شکل میں بروز حشر حاصل ہوں گے۔ یہ ابھی متعین ہی نہیں۔ یعنی ابھی کچھ معلوم نہیں کہ اس کا اجر و ثواب کس شکل میں ملنے والا ہے۔ آیا یہ ارتقا یافتہ شکل میں وہاں ملے گا یا کوئی اور معصیت وہاں اس ثواب کو غارت کر دے گی یا کیا ہو گا؟ پس جب ایک شے ابھی متعین ہی نہیں تو ہم کسی مردے کو پہنچا کیا رہے ہیں؟ یہی شکل ثواب بد کی ہے جس کی کوئی شکل متعین نہیں اس لئے اسے بھی ہم کسی کے نام منتقل نہیں کر سکتے۔ عام طور پر تو لفظ ثواب کا کوئی مفہوم ہی متعین نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے یہ لفظ اجر و جزا کے مفہوم سے اتنا دور پڑ گیا ہے کہ اب یہ "مفت" کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ آپ نے بارہا سنا ہو گا کہ: بھئی یہ کام کر دو ثواب کا کام ہے" یعنی اس کا کوئی معاوضہ یا بدلہ نہیں ملے گا۔ بس مفت ہی یہ کام کر دو۔ یہ "مفت" کا مفہوم رفتہ رفتہ اسی لئے پیدا ہو گیا ہے کہ ثواب کا کوئی مفہوم ذہنوں میں موجود نہیں۔ بس اسے ایک ہوائی اور خیالی قسم کی مجرد چیز سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک محسوس اور ٹھوس حقیقت ہے۔

ایک حدیث کا مفہوم - یہاں ایک حدیث کا ذکر کر دینا ضروری ہے جس سے نقل ثواب کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی یوں ہے کہ:

> من كانت مظلمة لاخيه من عرضه او شئ منه فليحلله منه اليوم من قبل ان لا يكون دينار ولا درهم ان كان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمته وان لم يكن له حسنات اخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه۔ (رواه رزين عن ابی ہریرہ)

> جس شخص نے اپنے بھائی کی آبرو یا کسی اور چیز کو نقصان پہنچایا ہو وہ آج ہی اس کی تلافی کرے قبل اس کے کہ کوئی درہم و دینار سود مند ہو سکے۔ (اس دن یہ ہو گا کہ) ظالم کے پاس اگر عمل صالح ہو گا تو بقدر اس کے ظلم کے اس سے عمل صالح لے کر اس مظلوم کو دیدیا جائے گا۔ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی، تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس کے سر ڈال دی جائیں گی۔

اس حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ایک کا ثواب دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسے ایصال ثواب کے ثبوت میں پیش کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ ایصال ثواب نہیں بلکہ وصول ثواب ہے۔ یہاں کوئی اپنا نیک و بد عمل کسی دوسرے کو پہنچا نہیں رہا ہے بلکہ خود بخود بحکم الٰہی پہنچ رہا ہے۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہاں نیکی اور بدی دونوں کے پہنچنے کا ذکر ہے۔ پس اگر کوئی شخص اس حدیث سے ایصال ثواب کی سند حاصل کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ نیکی اور بدی دونوں ہی کے ثواب کے ایصال کا قائل ہو جائے۔ پھر یہ جائز ہو گا کہ ایک شخص

دنیا بھر کی بدکاریاں کرکے اس کا ثواب نمرود، ہامان، فرعون، شداد، ابوجہل وغیرہم کو پہنچا دے بلکہ وہ یہ بھی کرنے کا مجاز ہوگا کہ اپنے سارے گناہ کا ثواب وجزا کسی نیک ومتقی کے نام تک کردے اور اس طرح اس بزرگ کی ساری نیکیوں پر اپنی سیہ کاریوں کو غالب کردے۔

تلاوت کا ثواب۔ اب رہا تلاوتِ قرآن کے ثواب کا معاملہ تو ہماری رائے اس معاملے میں ذرا مختلف ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث نبوی بیان کی جاتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

> قرآن کی تلاوت سے ہر حرف پر دس نیکی کا ثواب ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک ہی حرف ہے بلکہ الف ایک الگ حرف ہے، لام ایک جدا حرف ہے اور میم بھی ایک علٰحدہ حرف ہے.....

گویا الم مجموعہ ہے تین حرفوں کا۔ لہٰذا صرف الم کہہ دینے سے تیس ۳۰ نیکیوں کا ثواب مل جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن اس کا مفہوم محض منتر کے طور پر پڑھ لینا نہیں بلکہ یہ مشروط ہے دو شرطوں کے ساتھ۔ ایک ہے کوشش فہم اور دوسری ہے ارادۂ عمل۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ بعض اعمال تنہا کچھ نہیں ہوتے۔ ان کا وزن اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی سلسلے کی کڑی بنیں۔ اگر کوئی شخص فرض نماز نہ پڑھے اور صرف نفلیں ادا کیا کرے تو اسے کیا ثواب حاصل ہوگا؟ روزہ فرض ہونے کے باوجود نہ رکھے اور صرف سحری کھایا کرے تو محض سحری کے ثواب کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟ پاجامے یا شلوار کے لئے کمربند بڑی ضروری چیز ہے۔ اس کے بغیر شلوار ٹک نہیں سکتی۔ لیکن اگر کوئی شخص صرف کمربند باندھ لے اور پاجامہ یا شلوار کو الگ رکھ دے تو یہ کون سی نیکی ہوگی۔ کمربند اگر ضروری جزوِ لباس ہے تو وہ پاجامے یا شلوار کے ساتھ مل کر ہے۔ تنہا اس کا کوئی وزن یا قدر وقیمت نہیں۔ قمیص کی جیب یا آستین بڑی ضروری چیز ہے لیکن تنہا جیب یا محض آستین کا کیا مقام ہے؟ بالکل اسی طرح سمجھئے کہ تنہا الفاظ قرآنی کا زبان سے ادا کرنا محض ایک ابتدائی قدم ہے۔ ہر عربی بولنے والا صبح سے شام تک سینکڑوں الفاظ ایسے بولتا ہے جو قرآن کے اندر موجود ہیں لیکن اسے ان الفاظ کے ادا کرنے کا کیا ثواب ملتا ہے؟ عربوں کو چھوڑئیے۔ آپ خود ہزاروں سینکڑوں قرآنی الفاظ روزانہ بولا کرتے ہیں تو ان کا کوئی ثواب ملتا ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ: کرسی اٹھا لاؤ۔ "کرسی" کا لفظ قرآن میں موجود ہے جس میں چار حرف (بلکہ یائے مشدّد کو لیجئے تو پانچ حرف) ہیں۔ تو کیا "کرسی" کہہ دینے سے آپ کو چالیس (یا پچاس) نیکیاں مل گئیں۔ کسی کو کہہ دیا جائے کہ تم "فرعون" ہو تو پچاس نیکیاں مل گئیں کیونکہ "فرعون" کا لفظ قرآن میں موجود ہے جس میں پانچ حرف ہیں اور ہر حرف کے عوض دس نیکیاں ہیں۔ لہٰذا پچاس نیکیاں حاصل ہوگئیں۔ اسے بھی جانے دیجئے۔ آپ ہر روز الف سے ی تک کے تقریباً سب حروف سینکڑوں بار زبان سے نکالتے ہیں اور یہ سب حروف قرآن میں موجود ہیں تو کیا ہر روز آپ کروڑوں نیکیوں کے مستحق ہوتے رہتے ہیں؟ آخر سوچنا چاہئے کہ ہر حرف پر دس نیکیاں مل جانے کا مطلب کیا ہے؟ دراصل اس قسم کے ثواب تلاوت کے غلط تصور نے پوری اسلامی زندگی کے نظام کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

قول بے عمل: اسی قسم کا غلط مفہوم ایک اور حدیث سے بھی سمجھا گیا:

من قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ

جو لا الٰہ الا اللّٰہ "کہہ دے" وہ داخل بہشت ہو جائے گا

یہاں بھی "من قال" کا ترجمہ "جو کہہ دے" کیا جاتا ہے حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اس کلمۂ طیبّہ کے نظریۂ زلیست کا "قائل" ہو جائے وہ مستحق جنت ہو جاتا ہے۔ قائل ہونے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اس سے پوری زندگی اور اس کے وظائف و اعمال کا رُخ بدل جاتا ہے۔ صرف کہہ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ورنہ اس کے معنی یہ ہونگے ایک گونگے کو کبھی کوئی ثواب ملتا ہی نہیں کیونکہ وہ نہ کلمہ پڑھتا ہے نہ تلاوت کرتا ہے۔ اس لئے نہ تو وہ جنّت کا مستحق ہو سکتا ہے اور نہ ہر حرف پر دس نیکیوں کا حقدار۔ خود ہی سوچیئے کہ یہ کون سی عقل کی بات ہوئی؟

حقیقت صرف یہ ہے کہ کلمۂ طیبّہ کا زبان سے اقرار کر لینا ایک ابتدائی قدم ہے اسلامی زندگی کی طرف۔ اور اسی طرح تلاوت قرآن ایک ابتدائی زینہ ہے فہم و تدبّر اور عمل و اخلاص کے لئے۔ محض تلاوت تنہا کوئی چیز نہیں۔ یہ ایک ایسی ضروری کڑی ہے جو اپنے پورے سلسلے کی دوسری کڑیوں کے ساتھ مل کر اپنی قدر و قیمت متعین کرتی ہے۔ اس پر اقبال کا وہ شعر صادق آتا ہے جو انہوں نے فرد اور ملّت کے باہمی ربط کے متعلق کہا ہے کہ ؎

فرد قائم ربط ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج دریا میں ہے اور بیرون دریا کچھ نہیں

تلاوتِ قرآن کی کڑیاں صرف ادائے الفاظ نہیں۔ اس کے ساتھ فہم قرآن ہے۔ پھر تدبّر قرآن ہے۔ پھر کوشش عمل ہے۔ پھر اخلاص عمل ہے۔ پھر احسان عمل ہے اور یہ سب کڑیاں اپنے اندر لا انتہا ارتقائی زینے رکھتی ہیں۔ اگر یہ تمام باتیں مقصود نہ ہوں تو تنہا تلاوت سے کچھ حاصل نہیں۔ آپ تلاوت سے بھی آگے قدم رکھئے اور یوں کہئے کہ تنہا فہم قرآن بھی کوئی چیز نہیں محض لغوی فہم تو ان تمام کفار کو ہم سے زیادہ حاصل ہے جن کی مادری زبان عربی ہے۔ اس سے بھی آگے قدم بڑھائیے۔ تنہا عمل بھی کوئی وزنی شے نہیں۔ عمل تو منافقین بھی کرتے رہے ہیں۔ عمل میں اخلاص و احسان کی ارتقا پذیر ممکنات کو بروئے کار لانا اور اس طرح پوری اجتماعی اسلامی زندگی کے ذریعے قربِ الٰہی حاصل کرنا اصل مقصود ہے۔ اگر ہمارے پیش نظر نہ فہم قرآن ہو نہ تدبّر قرآن، نہ عمل، نہ اخلاص، نہ احسان نہ قرب الٰہی نہ تخلق باخلاق اللّٰہ تو محض تلاوت سے ہر حرف پر دس نیکی کے ثواب کی امید رکھنا ایک بڑا نفسانی مغالطہ ہے۔ تلاوت تو تلاوت ہے۔ ہر عمل کا یہی حال ہے کہ اگر اس کی روح نکل جائے تو وہ بے معنی ہو جاتا ہے۔ اگر روزہ رکھا جائے اور تقوےٰ کے تقاضے نہ پورے کئے جائیں تو وہ محض فاقہ بن کر رہ جاتا ہے۔ حضورؐ نے سچ فرمایا ہے کہ:

کم من صائم لیس من صومہ الا الجوع والظما۔

کتنے روزے دار ایسے ہیں جن کے روزے سے بھوک پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا

پھر فرمایا:

من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ ان یدع طعامہ وشرابہ

روزے دار اگر جھوٹی گفتگو اور جھوٹے کام نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

بس یوں ہی سمجھ لیجئے کہ جس طرح صوم کے تقاضے پورے نہ کرنے والے کے لئے روزے کا کوئی ثواب نہیں اسی طرح محض تلاوت کا بھی کوئی ثواب نہیں جب تک اس کے تقاضے مقصود نہ ہوں اور اس مقصود کی طرف قدم نہ بڑھ رہے ہوں۔ ثواب اتنی سستی چیز نہیں کہ کسی نے الم زبان سے نکالا اور فوراً دس نیکیاں نازل ہوگئیں۔ یہ تلاوت اپنی دوسری کڑیوں کے ساتھ مل کر نیکی اور باعثِ ثواب بنتی ہے۔ تنہا اس کا کوئی اجر و ثواب نہیں۔

اُلٹا عذاب ۔ تلاوت ہو یا کوئی اور عمل، اگر اس کے تقاضے نہ پورے کئے جائیں تو صرف یہی نہیں ہوتا کہ ثوابِ نیک سے محرومی ہو جاتی ہے بلکہ اُلٹا "ثوابِ بد" ملنے لگتا ہے۔ نماز سے بڑی اور کون سی عبادت ہو سکتی ہے لیکن اگر اس کے تقاضے پورے نہ کئے جائیں تو صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ ثوابِ نیک نہیں ملتا بلکہ ثوابِ بد ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ وہی نمازی جن کے متعلق قرآن یوں کہتا ہے کہ:

قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خشعون الخ

اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے اہلِ ایمان فلاح یافتہ ہیں

اسی نمازی کے متعلق دوسری جگہ یوں فرماتا ہے کہ ؎

فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتھم ساھون الخ

بربادی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنے مقاصدِ نماز سے غافل ہیں

آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ نمازی جب تقاضائے نماز پورا کرتا ہے تو مفلح قرار پاتا ہے اور جب اس سے غافل ہوتا ہے تو مستحقِ ویل ہو جاتا ہے۔ یہی صورت تلاوتِ قرآن کی بھی ہے۔ دوسری کڑیوں کو اس کے ساتھ ملانے کی آرزو اور کوشش کے بغیر محض تلاوت کا وہی نتیجہ ہوگا جو بے روح نماز کا ہوتا ہے۔ اس سے نہ فقط یہ کہ انسان اوپر نہیں جا سکتا بلکہ نیچے گرنا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہمیں ثوابِ نیک مل رہا ہے حالانکہ اسے اُلٹا ثوابِ بد مل رہا ہوتا ہے۔ "ثواب" تو اسے ضرور ملتا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ کیسا ثواب مل رہا ہے؟ ثوابِ نیک یا ثوابِ بد؟ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ انسان جب کھانا کھائے گا تو اسے اس کا ثواب ضرور ملے گا۔ لیکن یہ ثواب دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ اگر کھانا اچھا اور معدہ درست ہے تو اس سے توانائی کا ثواب ملے گا ورنہ اسی کھانے سے بدہضمی اور بیماری پیدا ہوگی۔ قصور کھانے کا نہیں ہوتا قصور معدے کی صلاحیت کا ہوتا ہے۔

ثواب کا مفہوم ۔ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ ہر عمل کا ثواب دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک دنیوی اور ایک اخروی۔ قرآن کریم بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرۃ۔

دنیا کا ثواب اور آخرت کا بہتر ثواب

گویا آغازِ ثواب اسی دنیا سے ہوتا ہے اور یہی ارتقا یافتہ ہو کر آخرت میں ملے گا۔ دنیا کو احادیث میں مزرعۃ الآخرۃ (آخرۃ کی کھیتی) کہا گیا ہے۔ اگر دنیا میں نہ تخم ریزی ہو نہ شگوفے پھوٹیں تو آخرت میں وہ کیا شجر بنے گا۔ آغازِ ثواب اسی دنیا میں ہونا چاہیئے۔ ہر نیکی اور بدی کا ایک اثر اور نتیجہ ہوتا ہے جس کی ابتدا اسی دنیوی زندگی میں ہو جاتی ہے۔ جنّت اور دوزخ بھی یہیں سے شروع ہوتی ہے اور ارتقا یافتہ ہو کر آخرت میں سامنے آجائے گی۔ لہٰذا یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ ثواب محض ایک مجرد خیالی، ذہنی اور وہمی چیز نہیں بلکہ اسے محسوس شکل میں نظر آنا چاہیئے۔ اگر قرآن کی تلاوت کی گئی ہے تو اس کا ثواب یہ نہیں کہ صرف سمجھ لیا جائے کہ بہت ثواب مل گیا۔ اسے نظر آنا چاہیئے کہ کیا ثواب ملا اور کس مشہود شکل میں ملا۔ آخرت کے ثواب کی تو کوئی شکل بلاشبہ نہیں بتائی جا سکتی، لیکن دنیوی ثواب جو دراصل اُخروی ثواب کا ابتدائی قدم ہے مشہود و محسوس ہونا چاہیئے کہ وہ کیا اور کس شکل میں ملا۔ صرف یہ فرض کر لینا کافی نہیں کہ ثواب مل گیا۔ یہ دیکھیئے کہ کیا ثواب ملا؟ کوئی روحانی بالیدگی ہوئی؟ کوئی اخلاقی اصلاح ہوئی؟ کوئی علمی نکتہ معلوم ہوا؟ کوئی عملی انقلاب پیدا ہوا؟ زندگی میں کوئی تبدیلی ہوئی؟ کیا ہوا جسے اجر و ثواب فرض کیا جائے؟ اگر بے مقصد پڑھنے سے جس کا پہلا قدم بے سمجھے پڑھنا ہے، کوئی اثر و نتیجہ مشہود و محسوس نہیں ہوتا تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کا ثواب نیک بھی کچھ نہیں ملا۔

تلاوت کے معنی ۔ تلاوت کے معنی صرف رٹ لینا اور زبان سے ادا کر لینا نہیں۔ تلاوت کا مادہ ہے تلو جس کے معنی ہے پیروی کرنا۔ عربی محاورہ ہے تلا تِلُوہ وہ اس کے نقشِ قدم پر چلا۔ یہ لفظ تلاوت ایسا جامع اور وسیع المعنی لفظ ہے جس میں ابتدائی قدم یعنی پڑھنے سے لے کر آخری قدم یعنی پیروی کرنے تک سب کچھ داخل و شامل ہے اور ظاہر ہے کہ صرف بے سمجھے پڑھنے سے تلاوت کا پورا مفہوم ہی نہیں ادا ہوتا۔ لہٰذا محض الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کا کیا ثواب نیک مل سکتا ہے جبکہ اگلے قدم پیشِ نظر ہی نہ ہوں؟ بلکہ غلط نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ اس صورت میں ثواب نیک کی بجائے اُلٹا ثواب بد کا خطرہ ہے۔ اب اس کے بعد خود سوچیئے کہ جب ایسی بے معنی تلاوت کا کوئی ثواب نیک ہی متعین نہیں تو مُردوں کو پہنچائی کیا چیز جائے گی؟ دوسرے اگر یہ مان بھی لیا جائے اس سے کوئی ثواب نیک ہوتا ہے تو اس کے قابلِ انتقال ہونے کی کوئی قابلِ یقین سند موجود نہیں۔

یہ رسم کیسے چل پڑی ۔ جہاں تک ہم غور کر سکے ہیں محفل ایصالِ ثواب کی رسم یوں قائم ہوئی ہوگی کہ احادیث میں آتا ہے کسی مرنے والے کا سوگ تین دن سے زیادہ نہ منایا جائے۔ صرف بیوہ کا سوگ عدت تک جاری رہے گا۔ اسی بنیاد پر نیک نیتی سے سوئم وغیرہ کی رسم قائم کی گئی جس کی غرض یہی ہوگی کہ آج سے سوگ ختم کرنے کا اعلان ہو جائے اور لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو جائیں۔ اس موقع پر لوگ جمع ہونے لگے خصوصاً وہ لوگ جو دیر میں اطلاعِ وفات ملنے کے سبب سے یا

دور دراز جگہوں میں رہنے کی وجہ سے تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہو سکے۔ اب ظاہر ہے اس اجتماع کا مقصد تعزیت کر کے سوگ کو ختم کرنا ہے۔ لیکن ایسے مواقع پر جبکہ ہر قسم کے لوگ جمع ہوں کئی بے موقع باتیں بھی ہو جاتی ہیں، کوئی گپ کر رہا ہے، کوئی ہنسی مذاق کر رہا ہے، کوئی قہقہے لگا رہا ہے۔ اس قسم کی باتیں تعزیتی مزاج کے مطابق نہیں ہوتیں۔ اس کی اصلاح کے لئے بزرگوں نے یہ کیا کہ بھئی بیکار نہ بیٹھو بلکہ ذکر الٰہی کرتے رہو۔ قرآن پڑھو، جو پڑھے ہوئے نہیں ہیں وہ چنوں پہ کلمہ یا درود وغیرہ پڑھیں۔ مطلب یہ ہے کہ بے موقع باتوں کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ جائے اور تعزیتی سنجیدگی باقی رہے۔ اس کے بعد مرنے والے کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اور محفل برخواست ہو گئی۔ اتنی بھر بات میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ یہ حکیمانہ انداز ہے۔ کیونکہ دعائے مغفرت (یا کسی دوسری دعا) سے پہلے اگر چند مستحقین کو کھانا بھی کھلا دیا جائے یا کچھ ذکر الٰہی کر لیا جائے یا کوئی اور نیک کام کر لیا جائے تو قبولیت دعا کی توقع زیادہ ہوتی ہے لیکن غالباً ہوا یہ ہوگا کہ کبھی کسی نے مرنے والے کے لئے یوں دعا کی ہوگی کہ اے اللہ اسے بخش دے (حالانکہ مغفرت کا ترجمہ بخشنے کی بجائے پوشش کرنا زیادہ صحیح ہے) بس رفتہ رفتہ یہ سمجھ لیا گیا کہ جتنی تلاوت کی گئی ہے یا کھانا کھلایا گیا ہے اسی کا ثواب بخشا جا رہا ہے۔ اس طرح بخشنے کا مفہوم ایصال ثواب بن گیا۔ کھانا کھلانا تو بے شک نیکی ہے لیکن کیا بے مقصد تلاوت کا بھی کوئی ثواب نیک ہوتا ہے؟ مجھے اس میں تامل ہے۔

روشن اور تاریک پہلو۔ ذاتی طور پر میرا طرز عمل ان محافل ایصالِ ثواب کے متعلق یہ ہے کہ میں ان کو روکنے پر زور نہیں دیتا بلکہ اگر شریک ہونا پڑے تو شریک بھی ہو جاتا ہوں۔ میرے پیش نظر کئی باتیں ہیں؟

۱۔ مُردوں کو ثواب پہنچے یا نہ پہنچے بہت سے غریبوں کا پیٹ بھر جاتا ہے اور یہ اطعام مساکین کی ایک اعلیٰ قدر کا بہانہ بن جاتا ہے اور اس کی شکل ایسی ہی ہے جیسی منت ماننے کی، جس کے متعلق ارشاد نبوی ہے کہ:

لا تنذروا فان النذر لا یغنی من القدر شیئا و انما یستخرج به من البخیل (رواہ السته الا مالکا عن ابی ہریرہ)

منت نہ مانا کرو کیونکہ منت تقدیر کو نہیں بدل سکتی۔ البتہ بخیل کی جیب سے کچھ نکلوا لیتی ہے۔

منت کی حقیقت بیان فرمانے کے باوجود احادیث میں کئی ایسی منتوں کا ذکر ہے جن کے ایفا کی حضور نے اجازت دی جو غالباً اس لئے کہ اس سے کچھ انفاق ہو جاتا ہے۔

۲۔ مردے کو ثواب ملے یا نہ ملے مگر نیکی کرنے والے کو تو ثواب مل ہی جاتا ہے۔ پس اگر اس کا ایک پہلو (ایصال) غلط ہے تو ذاتی اجر و ثواب کے حصول میں تو شبہ ہی نہیں۔ اس سے کسی کو کیوں روکا جائے؟

۳۔ اس بحث میں زیادہ انہماک پیدا کرنے کی بجائے اپنی توانیاں ان بنیادی مسائل میں صرف کرنی زیادہ بہتر ہے جو مسئلہ ایصال ثواب سے بہت زیادہ اہم اور لائق توجہ ہیں۔

۴۔ مجھے اس ایک چیز کے خلاف محاذ بنا کر اگر کوئی فتنہ و فساد کھڑا کیا جائے تو اس سے کوئی مفید نتیجہ نکلنے کی اُمید نہیں۔ اس لئے صبر کرتا ہوں۔

اس کے ساتھ ساتھ چند غور طلب باتیں اور بھی میرے پیش نظر رہتی ہیں مثلاً :

۱۔ اس رسم ایصال ثواب کو کچھ ایسا ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ اگر کوئی معاشی مجبوریوں کی وجہ سے بھی یہ نہ کر سکے تو لوگ اسے ملامت کرنے لگتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات لوگ طعنۂ قوم کے ڈر سے قرض کی زیر باری سے دوچار ہونے پر بھی مجبور ہو جاتے ہیں۔

۲۔ بعض جگہ یہ انداز دیکھا ہے کہ غریبوں کو پوچھا نہیں جاتا۔ صرف برادری والوں اور موٹے موٹے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے اور وہاں ثواب اور ایصال ثواب سے کہیں زیادہ نمائش اور شہرت مقصود ہوتی ہے۔

۳۔ بعض جگہ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ (مثلاً) غریب باپ کو زندگی بھر تو پوچھا نہیں، ایک روپے سے بھی مدد نہیں کی بلکہ قطع تعلق رہا مگر مرنے کے بعد سینکڑوں روپے کی دیگیں چڑھ گئیں۔ زندگی میں کوئی خدمت نہ کرنا اور مرنے کے بعد سینکڑوں روپے صرف کر دینا ایسا ہی ہے بعض اکابر قوم کو لوگ زندگی میں تو کچھ نہیں دیتے اور مرنے کے بعد ہزاروں روپے کا تعویذ قبر پر لگوا دیا جاتا ہے۔

۴۔ بعض لوگوں میں یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم زندگی میں کوئی اچھا کام کریں یا نہ کریں مگر ہمارے ورثاء تو انشاء اللہ ایصال ثواب کرا کے ہمیں بخشوا ہی لیں گے۔

غرض یہ ہے کہ تلاوت قرآن کے ثواب اور ایصال ثواب کی حقیقت تو جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں وہ بیان کر دی ہے لیکن اس کے لئے کوئی "تبلیغی محاذ" نہیں بنایا ہے۔ نیز محافلِ ایصالِ ثواب کے روشن اور تاریک پہلو بھی میرے سامنے موجود ہیں جو واضح کر دئے گئے ہیں۔ میں بذاتِ خود اس معاملے میں نفیاً یا اثباتاً کوئی عملی حصّہ نہیں لیتا۔ آپ کا طرز عمل کیا ہونا چاہئے یہ آپ کے سوچنے کی چیز ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہر کام کے دو پہلو ہوتے ہیں: تاریک اور روشن۔ لہذا طرز عمل ایسا اختیار کرنا چاہئے کہ:

الف۔ افادی پہلو زیادہ سے زیادہ اجاگر ہو جائے اور مضر پہلو زیادہ سے زیادہ دب جائے۔

ب۔ ایسی جزئی باتوں کو اساسی حقائق بنا کر اس میں کوئی ایسا فتنہ و فساد نہ پیدا کیا جائے جو امن عامہ میں ضرورت سے زیادہ خلل ڈالے۔ اپنی توانائیوں کو اصولی اور بنیادی اقدار کے قیام پر صرف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ورنہ ایسی جزئیات پر ضرورت سے زیادہ زور دینے سے فرقے پر فرقے بنتے چلے جائیں گے۔

تھوڑی بہت . . . ۔ ایک بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بے مقصد تلاوتِ قرآن (جس کی اوپر تشریح کی گئی ہے) کے متعلق کوئی ثواب تیک نہ ملنے کا تصور پیدا ہو جائے تو بے شمار مسلمان زبانی تلاوت سے بھی جاتے رہیں گے اور اس طرح

مقصد قرآنی کے پہلے قدم سے محروم ہو کر قرآن سے بالکل بے تعلق ہو جائیں گے۔

یہ خدشہ غلط نہیں لیکن کیا کیا جائے کہ اس کے بھی دو ہی پہلو ہیں یعنی ایک پہلو تو یہ ہے کہ اگر اس خیالی ثواب کی توقع نہ رہے تو تلاوت بھی ترک کر بیٹھیں گے اور قرآن سے بالکل بے تعلق ہو جائیں گے۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر اس مبہم ثواب کی امید باقی رہے تو اسی کو کافی سمجھ کر قناعت کر لیں گے اور اصلی مقصد قرآنی سے غافل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہی تلاوت ان کو معکوس ثواب کی طرف لے جائے گی ہم یہ بھی پسند نہیں کر سکتے کہ مسلمان قرآن سے لفظی طور پر بھی بے تعلق ہو جائیں۔ اور یہ بھی نہیں چاہ سکتے کہ ایک غلط قناعت انہیں قرآن کی معنویت سے محروم کر دے۔ لہٰذا اس معاملے میں ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے کہ وہ قرآن سے بے تعلق بھی نہ ہوں اور تھوڑے بہت تعلق پر قناعت بھی نہ کرنے پائیں بلکہ ثواب کا ایسا صحیح مفہوم ان کے دل و دماغ پر چھا جائے کہ قدم پیچھے لے جانے کی بجائے ان میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہو۔ صرف تلاوت ہی کے معاملے میں نہیں بلکہ مناسک (نماز، زکوٰۃ، روزے، حج) کلمۂ طیبہ اور تمام زندگی کے وظائف و اعمال میں یہی رجحان پیدا ہو کہ غلط قناعتِ ثواب کی بجائے وہ ثواب معکوس سے ڈرتے رہیں اور یہی ڈر ان کے قدم کو ارتقائی منازل کی طرف لے جائے۔ ڈر اور اندیشہ یا مسائل کا تجزیہ ایسا نہ ہونا چاہیئے جو مایوسی اور پسپائی پیدا کرے بلکہ اس میں ایسی رجائیت اور ہمت مردانہ کا امتزاج ہونا چاہیئے جو پیچھے قدم ہٹانے کی بجائے آگے سے آگے لے جائے۔ یعنی اپنی خامیوں اور کمزوریوں کا احساس اس نوعیت کا ہو کہ پست ہمتی اور شکست خوردگی نہ پیدا کرے بلکہ آگے بڑھانے والی اور تلافی کرنے والی ہمت و جوش کی تخلیق کرے۔ اس مقصد کے لئے کوئی کلیہ بتانا مشکل ہے بس ہر شخص کی ذہنی اور نفسیاتی صلاحیت کے مطابق ہی بات کرنی چاہیئے۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔

اسلام اور موسیقی

مصنفہ مولانا سید محمد جعفر شاہ صاحب
قیمت تین روپے چار آنے

مسئلہ اجتہاد

مصنفہ مولانا محمد حنیف صاحب
قیمت دو روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ

منیجر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

طابع و ناشر:۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم   مطبوعہ:۔ حمایت اسلام پریس لاہور   مقام اشاعت:۔ [illegible]